ڈاکٹر عبدالستار نیازی

اسسٹنٹ پروفیسر، یونیورسٹی آف سیالکوٹ

ڈاکٹر ارشد محمود ملک

اسسٹنٹ پروفیسر شعبہ اردو، یونیورسٹی آف لاہور

سرگودھا کیمپس۔ سرگودھا

عہد حاضر میں کلام اقبال کی اہمیت و ضرورت کی معنویت کا فکری مطالعہ

Abstract:

Allama Iqbal forwarded the national ideology of Sir Syed and united the Muslim nation under flag with crescent and showed the south Asian Muslims the way to make a separate homeland. They, after a profound study of ancient and modern philosophies, gave the Muslim nation awareness of altitude of self and philosophy of oneself. His other philosophies contain scarcity and affluence, love and wisdom, a perfect man and most importantly study and teaching. We can be successful by following his thoughts and teachings. Allama Iabal is against the western system of education since it is based on the accumulation of wealth whereas Iqbal teaches stoic resignation. In recent times, there is more need to teach the books of Iqbal since the world has yet again to fight the battle between spirit and body. His teachings are based on courage, fearlessness, freedom and mobility. If we act upon his teachings, we can redeem ourselves of the world of conflict and include us in the developed nations of the world. This is the summary of Iqbal's teachings. Hence, following the teachings of Iqbal is inevitable for all of us.

Key Word: Allama Iqbal, Sir Syed, philosophy, fearlessness

. علامہ اقبال بیسویں صدی کی دانش ہیں اور اکیسویں صدی میں بھی مسلم اُمہ کی راہنمائی کرتے نظر آتے ہیں۔ اس مرد دانا نے اپنے کلام میں مغربی تہذیب کو جھوٹے نگوں کی شیشہ گری کہا ہے اور اس کی خودکشی کی پیش گوئی بھی کی ہے انھوں نے انگریزی تہذیب و تمدن پر اس وقت تنقید کی ہے جب اس کی سرحدوں میں سورج

غروب نہ ہوتا تھا۔ وہ ہمیں مشرق کے روشن مستقبل کی نوید بھی سُناتے ہیں۔ ان کے بقول ؏ سنا ہے میں نے یہ قدسیوں سے وہ شیر پھر ہوشیار ہو گا۔ آج کے دور کشا کش میں کلام اقبال رجائیت کا خوبصورت نغمہ ہے جو قرآنی الہام گاہ کے لنگر سے کشید ہو کر ہم تک پہنچ رہا ہے۔ یہ ایسے انسان کی صدا ہے جو رنگ و نسل اور ذات پات کے بتو ں کو پاش پاش کر کے ملت اسلامیہ سے محو گفتگو ہے۔ اقبال نے اپنے افکار و خیالات سے مشرق و مغرب دونوں کو متاثر کیا ہے۔ اس دانائے راز نے ہمارے لیے اشعار کہے۔ ہم چین کی بانسری بجاتے رہے اور مغرب افکار اقبال پر عمل کر کے دنیا کا ٹھکیدار بن گیا۔ بقول علامہ عرشی امر تسری "اگر مسلمان اقبال کو سمجھ لیتا تو ایک دن بھی غلام نہ رہتا اور اگر انگریز پر اقبال کی تعلیم منکشف ہو جاتی تو قید فرنگی سے ایک دن کے لئے بھی آزاد نہ ہوتے 1" اقبال نے جب شعور کی آنکھ کھولی تو ہند کے مے خانے تین سو سال سے بند تھے۔ پہلی جنگ عظیم 1914ء کے بعد اسلامی ممالک فرنگی استعمار کے جال میں سمٹتے جا رہے تھے۔ بے سر و سامانی کی حالت میں عالم اسلام پر کفر کے بادل چھائے ہوئے تھے اور کہیں سے بھی تخلیقی قوتوں کے اُبھرنے کا امکان نہ تھا جہاں ہم نے صدیوں حکومت کی وہاں ہم بھکاری نظر آتے تھے۔ انحطاط اور فرسودگی کی فضائے تنگ و تار میں حیات تازہ کا کوئی خوشگوار جھونکا انسانی حواس کو تر و تازہ کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتا تھا۔ ہم نے کسی زمانے میں جہاں تاج محل اور لال قلعہ کھڑا کیا تھا وہاں ایک نئی اینٹ بھی لگانے سے قاصر تھے۔ اب یہاں مادے اور شعور کے درمیان باقاعدہ مبارز طلبی شروع ہو چکی تھی دو نوں میں کوئی بھی ہار ماننے سے گریزاں تھا۔ اپنوں کے باہمی تصادم سے بدیس سے آنے والی قوم (انگریز) نے ہندو ستان کو اپنی غلامی میں جکڑ لیا تھا۔

سلطان ٹیپو شہید کی شجاعت، سید احمد شہید کی ملک گیر مجاہدانہ کاوشیں، شیخ الہند مولانا محمود الحسن کی ثمرۃ الترتیب اور جمعیتہ الانصار کی تحریکیں ننگ ملت، ننگ دین اور ننگ وطن انسان دشمنوں کے ہاتھوں بری طرح ناکام ہو چکی تھیں، لارڈ میکالے کے نظام تعلیم نے لادینی اور نو آباد کاروں کی نقالی کا نشہ چڑھا دیا کہ وہ انگریز کی اطاعت کو دین کا ضروری جز و سمجھنے تھے۔ مسلمان اس وقت علم پر جہالت کو فوقیت اور روشن خیالی کو اپنے من میں جگہ دینے لگے۔ اس وقت نام نہاد روشن خیال مسلمان انگریز کی تہذیبی اور فکری غلامی میں دھنستے چلے جا رہے تھے جاگیردار انگریزوں کے حاشیہ بردار بن کر مسلمانوں کے ساتھ چشمک زنی میں مصروف تھے مغربی علوم کی کتب الہامی سمجھ کر طوطے کی رٹی جارہی تھی۔ علاوازیں مسلم نقش کو مٹانا روشن خیالی کی علامت سمجھا جاتا تھا۔ اس دور ناگفتہ میں بڑا نقال مہذب اور اہل علم سمجھا جاتا۔ انگریزوں نے اپنی سرپرستی میں ایک نئی نبوت کی بنیاد رکھ کر

اسے سچا ثابت کرنے کے لئے پچاس الماریوں پر کتب بھی مہیا کر دی تھیں تاکہ مسلمان فرقہ بندیوں اور مذہبی محاذ آرائی میں الجھے ہیں اور انھیں دور دور آزادی کا سورج نظر نہ آئے۔ شعرا نے اس دور کا نقشہ یوں کھینچا ہے بقول حالیؔ

پستی کا کوئی حد سے گزرنا دیکھے   اسلام کا گر کر نہ اُبھرنا دیکھے (حالیؔ)

خدا حافظ مسلمانوں کا اکبرؔ   مجھے تو ان کی بہبودی سے ہے یاس (اکبرؔ)

ہماری قوم تیرا بھی ستارہ کیا ستارہ ہے   سعادت گھٹتی جاتی ہے نحوست بڑھتی جاتی ہے (صفیؔ لکھنوی)

اس کڑے دور میں ایک شخص انگریزی وضع کی لالٹین لیے دھیرے دھیرے اپنی قوم کو روشنی دکھاتا آگے بڑھ رہا تھا وہ سر سید تھا۔ جس نے سب سے پہلے مسلمانوں کے لیے نیشن کا لفظ استعمال کیا۔ وہ غلام ملک میں پہلا مسلماں تھا جو اپنی قوم کے لیے روتا جاتا اور کہتا جاتا تھا کہ اے اللہ! اب میری قوم کا کیا بنے گا؟ اس نے عقل سلیم سے اپنے گرد چند محب وطن افراد اکٹھے کر لیے جو علمی، ادبی اور تہذیبی اور درددل رکھنے والے تھے۔ جنھوں نے ہندوستانی مسلمانوں کو عظمت رفتہ کی کہانیاں سُنا کر اپنے ساتھ جوڑا ہوا تھا۔ مگر ان میں دانائے راز (اقبال) نہ تھا؟ بالآخر اللہ رب العزت کو ہندوستانی مسلمانوں پر رحم آیا اور علامہ اقبال کو جنوبی ہندوستان کے مسلمانوں کی مسیحائی کے لیے روئے زمیں پر اُتارا۔ دنیائے میں بڑے بڑے جنگجو سورما، نامور حکمران، سیاستدان، دانشور، فلسفی اور شعرا منوں مٹی تلے سو رہے ہیں۔ آج ان کا کوئی نام لیوا نہیں؟ مگر فکر اقبال نے اسے ہر دور میں اُسے زندہ و جاوید رکھا اور دانشوروں کو اپنی فکر کی طرف بھی مبذول کیے رکھا۔ ان کے فلاسفہ میں تصور خودی، فقر و غنا، عشق و عقل، مرد کامل، تصور شاہین اور درس وتدریس زیادہ اہم ہیں۔ قوموں کے لئے ہیروز کی زندگی مشعل راہ ہوتی ہے جو ان کی زباں کے نکلے ہوئے ایک ایک لفظ کی ترجمان ہیں۔ پسماندہ قومیں ان سے تہذیب و تمدن اور معاشیات کے گر سیکھ کر قوموں کی قیادت کے اہل ہوتی ہیں۔ علامہ اقبال جیسے انساں صدیوں میں پیدا ہوتے ہیں۔ انھوں نے مشرق و مغرب کے فلاسفہ محی الدین ابن عربی، ابن تیمیہ، علامہ عراقی، خواجہ محمد پارسا، ابن الہشم، ابن حزم، ابن مسکویہ، ابن خلدون، بو علی سینا، امام رازی، الماوردی، فارابی، ابو یوسف بن اسحاق الکندی، امام غزالی، ابن رُشد، شیخ عثمان رومی، کرمانی، شیخ، فرید الدین عطار، شہاب الدین سہروردی، بو علی شاہ قلندر اور نظام الدین طوسی کا غائر مطالعہ کیا جبکہ شعرا میں جلال الدین رومؔی، سعدؔی، ابو طالب کلیمؔ، فغانؔی، شیرازؔی، رفیقی، نظیرؔی، آملیؔ، حکیم ثنائیؔ، عمر خیامؔ، جامؔی، نظامؔی گنجویؔ، قاآنؔی، باباطاہر عریاںؔ، فردوسؔی، انورؔی، آملیؔ، میرزا صائبؔ اور مرزا غالبؔ کے کلام کو سمجھ کر پڑھا تھا۔ جبکہ

مغربی فلسفہ راجر بیکن ،اشپنگلر آئن سٹائن ،ڈیکارٹ ،لارڈ ہیوم ،لاک ، برکلے ،رچرڈ پرائس اور کانٹ کا بھی بغور مطالعہ کیا۔ علاوہ ازیں قرآن مجید، وید ، گرنتھ ، منو سمرتی ، ستیار تھ پر کاش، اپنشد ، جماعت احمدیہ ، بہائیہ ، وہابیہ ،شیعہ حضرات کی احادیث پر مشتمل کتب، فقہ اور قرآنی تفاسیر کا بالا استعاب مطالعہ کیا تھا۔ انھوں نے ان فلاسفہ کے مطالعے کے بعد اپنا خالص اسلامی نظریہ وضع کیا۔

سرسید نے علی گڑھ میں مسلم قومیت کی بنیاد رکھی۔ وہ مسلم قومیت کے تصور کو غیروں سے بچانے کے لیے اپنے احباب کے ساتھ ہمہ وقت مصروف رہے۔ دانائے راز علامہ اقبال نے ہندوستان میں مسلمانوں کے لیے جداگانہ انتخاب کے نظریے کی حمایت کی بقول آغا اشرف "جداگانہ انتخاب کے بغیر مسلمان سیاسی طور پر ختم ہو جائیں گے 2۔ انھوں نے جنوبی ہندوستان کے مسلمانوں کے لیے نہ صرف الگ وطن کا خواب دیکھا بلکہ اسے حقیقت میں لانے کے لئے قائدِ اعظم کو لندن سے بلایا اور مسلم لیگ کی قیادت کرنے کا کہا۔ آغا اشرف اس ضمن میں رقمطراز ہیں "ہندوستان میں آج آپ ہی ہیں جن کی ذات سے مسلم لیگ محفوظ راہنمائی کی توقع کرنے کا حق رکھتی ہے 3۔ انھیں پاکستان کا فکری خالق کہا جاتا ہے۔ علامہ اقبال کی ملت اسلامیہ کے لیے بہت سی خدمات ہیں ان کی تفصیل درج ذیل ہیں۔

علامہ اقبال انقلابی شاعر ہیں۔ اردو ادب میں انقلاب اور انقلاب سے وابستہ امیدوں کا آرزومند رویہ صرف اقبال کے ہاں ملتا ہے۔ اقبال کے انقلاب کی تقسیم کاری سے ہندوستان دو خود مختار ریاستوں پاکستان اور ہندوستان کے نام سے معرض وجود میں آئے۔ علامہ اقبال ہندوستان کی تقسیم سے نئے قائم ہونے والے ملک پاکستان کی علمی ،ادبی، تہذیبی اور معاشرتی زندگی میں انقلاب چاہتے ہیں۔ وہ اعلیٰ تعلیم کے لیے یورپ گئے تو وہاں ہر گوشہ زندگی میں انقلاب دیکھا، یہاں مذہبی تکرار بند ، پادری غیر موثر، ہر طرف علم و عمل اور نتائج موضوع بحث تھے اور یورپین پادری کے ظالمانہ رویے کی نجات پر خوش تھے۔ وہ اپنے وطن ہندوستان کو دیکھتے تو یہاں ملا اور پنڈت کی حکمرانی نظر آتی۔ اس نے مسلم دنیا کو باور کرایا کہ علم کی تازہ جستجو کے بغیر ترقی کرنا یا آگے بڑھنا ناممکن ہے۔ علامہ اقبال نے مغرب کی علمی ترقی کا مشاہدہ کر کے مشرق و مغرب میں ہم آہنگی اور علمی مطابقت کی کوشش شروع کر دیں۔ علامہ اقبال نے حواس کو مسترد کیا نہ عقل کو، بقول غلام دستگیر "بزم مسلم کو غیر سے بچانے کے لیے ایک ایسے جلیل القدر اہل نظر مفکر کی ضرورت تھی۔ جو خود "دانش نو" کا راز داں ہو" 4۔

علامہ اقبال نے مسلم اُمہ کی نشاۃ الثانیہ اور عظمت رفتہ کے لیے اسلام کی تشکیل نو پر زور دیا تھا۔ اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے مگر لوگوں نے اپنے موافق استعمال کر کے کچھ کا کچھ بنا دیا بقول یاسر جواد ''اسلام کی داخلی صداقت صدیوں کے دوران صوفیاء، مشائخ، علما اور گمراہ حکمرانوں کی علم کوش روشوں اور ثقافتی اضافوں کی وجہ سے چھپ گئی تھی۔ ان ہی لوگوں نے اسلام کا ایک ایسا تصور پیدا کیا جو گمراہی پر منتج ہوا''5 علامہ اقبال کے نزدیک ''اب ہمیں آنکھیں کھولیں اور ماضی میں کی ہوئی غلطیوں کی تلافی کریں۔ ہم اسلامی معاشرتی اور سیاسی نصب العین کی دوبارہ شیرازی بندی کر سکیں۔ اسلامی روح کا منشا یہ ہے کہ جدید افکار و تجربات کی روشنی میں قانون اسلامی (شر یعت) کی از سر نو تدوین کی جائے۔ بعض لوگوں نے اسلام کی تشریح کرتے ہوئے مادے کو شمہ بھر اہمیت نہ دی۔ موجودہ دور اس کے بغیر زندگی کا تصور محال ہے۔ اسلام کا ایک پیغام ہمارے نبی مکرم ﷺ نے دیا۔ دوسرا پیغام ہمارے پڑوسی ملک افغانستان سے پوری دنیا میں گیا۔ اس پیغام نے اسلام کا تصور اچھا نہیں اُبھارا۔ انھوں نے تعلیم نسواں پر پابندی لگائی اور پاکستان میں خواتین کے تعلیمی ادارے تباہ کیے۔ جبکہ نبی مکرم ﷺ نے ایک دن عورتو ں کے تعلیم کے لیے مخصوص کر رکھا تھا۔

ہمارے مذہبی راہبروں نے دنیوی تعلیم کی سختی سے ممانعت کی وہ دینی تعلیم کو منتہائے زندگی سمجھتے ہیں اور ڈھکے چھپے سائنسی علوم کی نفی کرتے ہیں ان کے نزدیک انگریزی تعلیم سے بچے دین سے دور ہو کر کہیں کے نہیں رہتے۔ ارباب علم واقتدار نے ہمیں جان بوجھ کر تعلیم سے دور رکھا کیونکہ تعلیم آئے گی تو شعور بھی چلا آئے گا اور حکمرانوں کی باریاں بھی ختم ہو جائیں گی۔ چنانچہ کتاب سے دوری نے ہمیں جہالت، پسماندگی اور افلاس میں ہمیشہ کے لیے دھکیل دیا۔ علم و فنون سے زنیت کے سامان مہیا ہوتے ہیں اور انسانی عقل بھی مدنیت سے ترقی پاتی ہے چنانچہ زندگی کی الجھنوں کو سلجھانے کے لیے عقل کی ضرورت ہے۔ یہ ساری چیزیں علم سے آتی ہیں۔ دانشور کہتے ہیں کہ بانو کو پکڑ لو لونڈی خود بخود چلی آئے گی 6 زمانہ قدیم میں ہمارا تمدن ترقی یافتہ، قوانین عادلانہ اور اخلاق بحیثیت مجموعی اقوام سے اچھے تھے۔ ہم ہر قسم کے علوم کے شائق تھے۔ ہمارے دینی مدرسوں سے قال، قال رسول اللہ کی ساری ساری رات پاکیزہ صدائیں آتیں اور مساجد ساری رات کھلی رہتیں۔ عابد اور زاہد ساری رات اللہ ہُو کا ورد کرتے ہوئے گزار دیتے۔ بقول ڈاکٹر محمد عارف ''دینی حکومتیں حصول علم سے گریز کرتی ہیں مگر مسلما نوں کی حکومتیں اس کلیہ سے ماورا نظر آتی ہیں ان کی علمی بھوک اور پیاس ایسی شدید تھی کہ جس کی مثال دوسری جگہ نہیں ملتی لیکن چھ صدیوں کے علمی اور فنی عروج کے بعد اُمت کو زوال آگیا۔ تاتاریوں کی غارت گری کے بعد مسلمان تہذیب و تمدن میں اپنا کمال و ہنر اور اپنے اخلاق بھی کھو بیٹھے۔ 7

چودھویں صدی میں افرنگ نے زندگی کی نئی کروٹ لی اور مسلماں سوتے رہ گئے، اغیار بیدار ہوتے گئے۔ خود افرنگی اس بات کا اقرار کرتے ہیں کہ یورپ کی نشاۃ الثانیہ سے قبل مسلماں یورپ کے استاد تھے لیکن ان استادوں کو کیوں سانپ سونگھ گیا۔ ہماری علمی شمع سے یورپ نے اپنا دیا جلاتے ہوئے ہمارا بجھا دیا۔ یورپی اقوام علوم وفنون میں ہم سے آگے نکل گئی ہیں۔ اب ہمیں ان سے بے دریغ سیکھنے کی ضرورت ہے کیونکہ زندگی کی صداقتیں اور معاشرتی خوبیاں کسی ایک قوم کا اجارہ نہیں۔ عہد حاضر کے تناظر میں دیکھا جائے تو دنیا کے بہترین وسائل ہونے کے باوجود مسلمان غیروں کے محتاج ہیں۔ دنیا کے بہترین دماغ، بہترین آبی ذخائر، بہترین بندرگاہیں، ان گنت معدنی وسائل، بہترین پہاڑ، بہترین گزرگاہیں، ان گنت مادی وسائل اور دنیا کی بہترین فوج رکھنے کے باوجود غیروں کے محتاج ہیں۔ جس کا بنیادی سبب علم سے دوری ہے اب ہمیں اجتہاد کی ضرورت ہے۔ اقبال کے انگریزی خطابات میں چھٹا خطبہ اسلام میں اجتہاد کے موضوع پر ہے۔

علامہ اقبال مشرق ومغرب کے علوم کے گہرے مطالعے کے بعد اس نتیجے پر پہنچے کہ مسلماں نبی مکرم صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم کی تعلیمات سے دور ہو چکے ہیں۔ علما حقیقی علم سے دور اور عمل سے عاری ہیں مسلمانوں کی بے سمتی ، حکمرانوں کی بد عملی اور صوفیا کی بے تاثیری نے مسلمانوں کو بددل کر دیا ہے موجودہ عہد کے علما مطلب کے موافق نئے مسائل گھڑ کر من مانی تاویل کرتے ہیں۔ اقبال کی آرزو تھی کہ مسلمانوں کا جمود حرکت میں بدلے اور وہ دنیا میں دوبارہ عروج حاصل کریں۔ بقول فخر الحسن سیّد ''اقبال مسلمانوں میں انقلاب پیدا کرنا چاہتے تھے اور ملت اسلامیہ کو بیدا کر کے اسے شرف انسانیت کے اعلیٰ ترین زینے پر پہنچانے اور کھوئی ہوئی عظمت دوبارہ دلانا چاہتے تھے۔ چنانچہ ان کی اندرونی گہرائیوں میں انقلاب کا سامان پیدا کرنا چاہتے تھے۔ یہی قانون فطرت ہے ارشاد خداوندی ہے ان اللہ لا یغیر مابقوم حتیٰ یغیر ما بانفس ھم 8 اقبال اس ضمن میں کہتے ہیں

خدا نے آج تک اس قوم کی حالت نہیں بدلی
نہ ہو، جس کو خیال آپ اپنی حالت کے بدلنے کا

انھوں نے ملت اسلامیہ کا خدائے ذوالجلال سے رشتہ جوڑنے اور بھلائے ہوئے سبق کی یاددہانی کے لیے اپنا مشہور نظریہ خودی پیش کیا جس میں انسان اپنی انفرادیت کو فراموش کر کے مرد کامل بننے کے لیے خالق کائنات تخلقو باخلاق اللہ کا سچا مظہر بن سکتا تھا۔ علامہ اقبال کی خودی بنیادی آلہ DEVICE) ہے اسی کو انسا)

کی کامیابی کی کُنجی کہا گیا ہے خودی کائنات کی شگفتگی ہے یہ انسانی بقا سے وابستہ (HUMAN BEING) ہے۔اقبال نے فلسفہ خودی میں انسان کا تعلق خدا سے جوڑ کر اسے درجہ کمال پر فائز کر دیا۔ اقبال کے سارے کلام کا بنیادی پہلو یہی ہے باقی تمام افکار و نظریات اسی کے گرد گھومتے ہیں بقول میر ولی الدین ''اقبال کا فلسفہ یہیں سے شروع ہوتا ہے اور اسی نقطہ مرکزی کے اطراف گھومتا ہے اور یہیں پر ختم ہوتا ہے''9 مغربی مفکر بریڈلے نے اپنی مشہور کتاب (Ethical Studies) مطالعہ اخلاق (Logic) منطق (Appearance and reality) حقیقت شہود میں اسے ایغو، سلف، روح اور جستجو کا نام دیتا ہے سوچ اور نتیجے کا یہی مرکز ہے علوم و فنون اسی سے پیدا ہوتے ہیں انسان اسی کے ذریعے اظہار کر کے علم کو نافع بناتا ہے انسانی اعتماد کی بلندی کو خودی کا نام دیا گیا ہے۔انسان زمانی ارتقاء کی راہوں پر چل کر اور خودی بلند کر کے اپنی تقدیر کا مالک خود بن سکتا ہے۔ پھر انسان اپنی (خودی) کو بھلا کر اور بے خودی کی منزل میں قدم رکھ دے تو اس اقدام سے تمام افراد میں ایک بین الاقوامی ربط پیدا ہوگا اور فرد ملت اسلامی کے گہرے سمندر میں گم ہو جائے گا۔ جس کے سامنے انفرادی حیثیت کی کوئی پہچان نہیں۔ بقول اقبال ؎ موج ہے دریا میں اور بیرون کچھ نہیں۔ ولیم جیمز نے شعور (خودی) کو جوئے خیال (Stream of thought) کا نام دیا ہے۔جو ہر انسان کے اندر پائی جاتی ہے۔ یہ راہبر و توانائی ہے جو تجربات سے آگے بڑھ کر فطرت پر قابو پانے کی جستجو رکھتی ہے۔ یہ خدا اور انسان کے درمیان روحانی اتصال کا اہم ذریعہ ہے جسے اقبال نے فلسفیانہ اصطلاح میں خودی کا نام دیا ہے۔

اقبال اسلامی ممالک میں ایسے معاشرے کے قیام کے خواہاں تھے جہاں ہر فرد اپنے عقائد اور اپنے طریق پر زندگی بسر کر سکے ارشاد خداوندی ہے لا اکرٰہ فی الدین۔ اس حکم میں تمام افراد کا دین شامل ہے اور اسی کو بین الاقوامی کلچر یا وے آف لائف (Way of life) کہا جاتا ہے۔کسی بھی قوم کو تہذیب کے اندر پائی جانے والی روحانی تنویر سے اسے جانچا جاتا ہے کہ اس قوم میں پائی جانے تلخیوں کے مقابلے میں شیرینی کس قدر ہے یہ شرینی عمدہ اور جذبہ محبت سے پیدا ہوتی ہے خوبصورت معاشرے میں ہر فرد اپنے میلانات اور ممکنات زندگانی کو تصرف میں لا سکتا ہے اور ایسا معاشرہ جہاں کسی کو رکاٹ محسوس نہ ہو جہاں کوئی کسی انسان کا غلام نہ ہو، جہاں حصول رزق، علم، فکر و عمل اور کمال کے راستے میں کوئی قوت مزاہم نہ ہو۔10 ہمیں ایسے معاشرے کا تصور افکار اقبال کے ہاں ملتا ہے. ہم اسلام کی روشنی میں تہذیب کا نصب العین متعین کریں اور اُس انسان جسے علامہ اقبال مرد مومن کہتا ہے اس کی تعمیر کے لیے تعلیمی نصاب، درس و تدریس اور نظام زندگی میں کوئی لائحہ عمل مرتب کریں اور روح اسلامی کے مطابق اپنے افکار و اعمال کے اچھے نمونے اکٹھے کر کے اسے اپنی تہذیب کا حصہ بنائیں، وہ نمونے خواہ اپنی

تہذیب سے یا دیگر اقوام کی تہذیب میں ملیں، کیونکہ علم اور ثقافت کا ہر اچھا پہلو مسلماں کی گم شدہ میراث ہے پھر انھیں اسلامی عقل کے تناظر میں جانچ کر معاشرے پر اطلاق کی کوئی صورت نکالیں کیونکہ کہ روح اسلام میں ایسے میلانات اور ممکنات زندگی کے روشن پہلو میں ہمہ وقت موجود ہیں جن سے مسلمان اپنی شان و شوکت اور خودی کھوئے بغیر چاروں طرف سے فیض حاصل کر سکتا ہے۔ علامہ اقبال نوع انسانی کی اسی وحدت کے قائل ہیں۔

علامہ اقبال نے ملت اسلامیہ کو اسلامی معاشیات کا نظریہ بھی دیا۔ اسلام میں سرمایہ داری کی ممانعت نہیں ہے۔ یہاں کا آجر مزدور کو اس کی محنت کا بہت تھوڑا ثمر دیتا ہے مگر موجودہ دنیا کے نظام معاشیات میں آجر امیر تر اور آجیر خستہ حال ہوتا چلا جاتا ہے یہاں دولت کی بے جا تقسیم نے معاشرے میں ان گنت مسائل پیدا کر دیئے ہیں۔ عہد حاضر میں اس نظام معیشت میں ساری قوت سرمایہ دار کو حاصل ہوتی ہے جبکہ آجر کی ساری دولت سودی ہوتی ہے ارسطوایسی دولت کو پسند نہیں کرتا اس کے بقول ''زر بچے نہیں دیتا'' وہ ایسی دولت کو ناجائز قرار دیتا ہے۔ کارل مارکس کے نزدیک سود ایک طرح کی ڈکیتی ہے جو سرمایہ دار معمولی طاقت سے حاصل کر لیتا ہے پھر مزدور اس کی چیرہ دستیوں کا شکار بنتا رہتا ہے۔ یہ تجارت کے پردے میں فریب دہ آلہ ہے جس کے ساتھ معاشی کھیل کھیلا جاتا ہے۔ علامہ اقبال سودی تجارت کو پسند نہیں کرتے۔ بقول ڈاکٹر عبدالمجید ''اقبال دور جدید کی مادیت کے سخت مخالف ہیں خواہ وہ سرمایہ دارنہ نظام کی شکل میں یا سوشلزم کی شکل میں۔ وہ سرمایہ دارانہ نظام کو اس کی استحصالیت اور جارحانہ قومیت کے نظریات کی وجہ سے اسے ایک بہت بڑی لعنت قرار دیتے ہیں 11 جبکہ اسلام نے سود کو حرام قرار دیا ہے کیونکہ اس میں خسارہ ہی خسارہ ہے۔ مگر یورپ اس پر اترا رہا ہے بقول اقبال رعنائی تعمیر میں رونق میں صفا میں گرجوں سے کہیں بڑھ کے ہیں بینکوں کی عمارات اقبال کے نزدیک عشق تین حرفوں پر محیط ہے مگر یہ پوری دنیا کو اپنی گرفت میں لینے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ اقبال عشق کو مروجہ معانی سے ہٹ کر دیکھتے ہیں اور اسے ایمان کے درجے پر فائز کرتے ہیں، فرد عشق کے بغیر مسلماں نہیں ہو سکتا۔ اس کی قوتیں لامحدود ہیں یہ ایک قطرہ بے مایہ کو بحر بے کراں میں بدلنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ زندگی اسی سے ثمر بار ہوتی ہے۔ اقبال کے نزدیک عشق کے بغیر زندگی بے کار اور بے فیض ہے۔ عشق حقیقی عقل کو منور اور پتھر کو شیشے میں تبدیل کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ اس میں بے پناہ قوت ہوتی ہے اور یہی عشق انسان کی تخلیق کا باعث بنتا ہے۔ اقبال کے ہاں عشق (دم مصطفی، جان جبریل اور) عشق رسول ہے کہ جس کے دم سے پیکر خاکی تابناک ہو کر خدا کا نائب بنتا ہے۔ عشق ہر دم انسان کو نئی منزلوں کا راہی، نور حیات، آداب خود آگاہی، نغمہ زندگی، روحانی طاقت اور شعور ذات ہے۔ مومن ہے تو بے تیغ بھی لڑتا ہے سپاہی، یہ تائید الٰہی پر بھروسہ کر کے دشمنوں پر وار کرتا ہے کیونکہ اس کے

نزدیک خدا کے سوا کسی دوسرے پر بھروسہ کفر ہے۔ عشق ہی انسان کو اپنی ذات کا شعور بخشتا ہے۔ علامہ اقبال کے نزدیک کوئی بھی انسان عشق کے راستے پر چلتے ہوئے راہ حیات کو کامیابی سے طے کرتا ہے۔

عالم اسلام میں خرابی کی جڑ مغربی تہذیب ہے۔ اقبال اپنے افکار و خیالات میں مغربی تہذیب کو اچھا نہیں سمجھتے۔ قمار بازی، مے خواری، نسوانی آزادی اور بے پردگی ہماری تہذیب میں معیوب ہیں۔ جبکہ یہی چیزیں مغربی تہذیب کا ضروری لازمہ ہیں۔ تہذیب کے فرزندوں کے خیال میں ان خرافات کو جب تک ہماری تہذیب میں شامل نہ کیا جائے ہم مہذب نہیں کہلا سکتے۔ مغربی تہذب نے عورت کو خود مختار اور مردوں کے ہم پایہ کرنے کے لیے اسے گھروں سے نکالا۔ عورت کے خلوت سے جلوت میں آنے سے آنکھیں خیرہ ہوئیں تو اس کا مزاج بھی بدل گیا۔ اس پہلو نے اس کے فطری جذبے کا گلا گھونٹ دیا مغربی عورت گھر سے کیا نکلی پھر واپسی کا راستہ بھول گئی اور مایا کی جمع آواری میں اپنا عورت پن بھی برقرار نہ رکھ سکی۔ مغربی عورت کے اس اقدام نے وہاں فحاشی نے مستقل قدم جمالئے اور نسوانیت کا جنازہ نکل گیا۔ یہ سب کچھ تعلیم نسواں کی آڑ میں ہوا۔ بقول اقبال

کیا یہی ہے معاشرت کا کمال مرد بے کار، زن تہی آغوش

علامہ اقبال کی تعلیمات میں تعلیم اور تدریس دونوں اہم ہیں۔ پہلی وحی اقراء سے شروع ہوئی، جس کے معانی پڑھنے کے ہیں ارشاد خداوندی ہے الذی علم بالقلم۔ یعنی انسان کو قلم کے ذریعے علم سکھایا ماہرین اقبال کے نزدیک کلام اقبال قرآن کا ترجمان ہے قرآن مجید میں اللہ تعالی نے بار بار آسماں کو تسخیر کرنے اور فطرت پر قابو پانے کا حکم دیا ہے۔ اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ آسماں کیسے تسخیر ہو گا۔ علامہ اقبال کے نزدیک دونوں چیزیں علم سے حاصل ہو سکتی ہیں۔ علامہ اقبال تعلیم کے لیے یورپ گئے وہاں یورپین کو علم و عمل میں اہل مشرق سے بہت آگے پایا اور نتائج بھی ان کے حق میں آرہے تھے۔ اقبال اپنی تعلیمات میں مشرق و مغرب کے علمی خلا کو کم کرتے نظر آتے ہیں۔ اقبال اپنی تعلیمات میں اہل مشرق کے حصول علم اور اس کی تعبیر پر زور دیتے ہیں۔ تعلیم قوموں کی زندگی میں انقلاب لاتی ہے اور اسی سے عقل کو جلا ملتی ہے فرد کی شخصی عمارت اسی بنیاد پر کھڑی ہوتی ہے۔ تعلیم انسان کو ایک خاص سانچے میں ڈھال کر اسے اہل بناتی ہے۔ قومیں اپنے تعلیمی فلسفے کے ذریعے اپنے نصب العین، مقاصد، تہذیب و تمدن اور اخلاق معاشرت کا اظہار کرتی ہیں۔ انھوں نے یورپ سے واپسی کے بعد اہل مشرق کو باور کرایا کہ تم علم کی جستجو کے بغیر آگے نہیں بڑھ سکتے اور تعلیم ہی راہیں متعین کرتی ہے اور اسی سے علوم و فنون پیدا ہوتے ہیں۔ چنانچہ مادی علوم کو مذہبی علم کا حصہ بنایا جائے۔ اہل یورپ علم کی تلاش میں وقت ضائع کرنے کی

بجائے وقت کی قدر کرتے ہیں۔ انسان علم کی روح کے مطابق فراخ دلی سے حواس، عقل، فطرت اور تاریخ کا مطالعہ کرتے ہوئے اپنے تنقیدی شعور کو بروئے کار لائے۔ اقبال نے اپنے افکار و خیالات میں مسلمانوں کو سنبھالا دینے، تعلیمی شعور کو بیدار اور بلند کرنے کے لیے درج ذیل اشارے کیے ہیں۔

1۔ دنیا کو کھلی آنکھوں سے دیکھتے ہوئے تجزیہ کرے کہ آئندہ انسانی زندگی کی شکل کیا ہوگی؟۔مادی دنیا میں مکمل شمولیت کر کے کائنات کے رازوں کو آشکار کر کے اسے تسخیر کرے۔؟۔انسان کی معراج تخلیق میں ہے تقلید میں نہیں؟۔انسان کی کامیابی فطرت کے راز پانے میں ہے؟ علامہ اقبال کے نزدیک علم اور سائنس کے بانی مسلماں تھے ابن سینا کی ''قانون'' اور ابوالقاسم زہراوی کی ''التصریف'' کئی سال تک یورپ کی یونیورسٹیوں کے نصاب میں شامل رہیں۔ علامہ اقبال کے کلام اور افکار و خیالات نے اپنی قوم کی تاریخی، سیاسی، مذہبی اور معاشرتی معاملات میں راہبری کی اور انھیں بحیثیت معلم کے اگلی منزلوں کی نشاندہی کی۔ وہ بیسویں صدی میں مسلم اُمہ کے صحیح معنوں میں معنوی اُستاد تھے۔ بقول پروفیسر محمد عثمان ''برصغیر کے مسلمانوں کی سیاسی اور اجتماعی کی زندگی کی تشکیل نو میں اقبال کا تجزیہ کیا جائے تو وہ ایک معلم قوم کی حیثیت سے اپنا کردار ادا کرتے دکھائی دیتے ہیں انھوں نے اپنی قوم کی ذہنی، جذباتی، فکری اور اجتماعی ضرورتوں کو محسوس کر کے دقت نظر سے تجزیہ کرتے ہوئے ان کے سرد و خنک سینوں میں مقصد حیات کا شعلہ بھڑکایا اور ان کے دلوں میں زندہ رہنے کی اُمنگ بیدار کی۔ انھیں معلم کہا جائے تو غلط نہ ہوگا بلکہ اُن پر اس لفظ کا صحیح اطلاق ہوگا'' 12 اقبال نے ''ضرب کلیم'' میں تعلیم و تربیت کے نام سے ایک عنوان قائم کیا ہے وہ اپنی قوم کے لیے ایک ایسے نظام تعلیم کے خواہاں تھے جہاں طلبا و طالبات کی خودی کی تربیت ہو سکے اور انھیں ذمہ دار شہری کے سانچے میں ڈھال سکے۔ اقبال تعلیم کے ضمن میں امام غزالی کے نظریے سے اتفاق کرتے ہیں کہ ''تعلیم کا مقصد تعلیمی اور ذہنی پیاس بجھانے کے بعد اخلاق، کردار اور اجتماعی زندگی کے اوصاف میں نکھارنے کا احساس پیدا ہو جائے.

سچا شاعر اپنے وقت کا نقیب ہوتا ہے۔ اس کی زبان سے سچی باتیں ہی شعر کا جامعہ پہن کر نکلتی ہیں۔ جو وقت کی ضرورت اور تقاضائے عہد بھی ہوتی ہیں۔ اس وقت ہندوستان کیا بلکہ سارا عالم اسلام اور جہان مشرق معاشی، سیاسی، معاشرتی اور سماجی حیثیت سے مغرب کی غلامی میں گرفتار تھا۔ اقبال کا حساس دل ملت اسلامیہ کے درد سے معمور ماحول کی کیفیت سے تڑپ کر اپنی غلامی کا نوحہ پڑھنے لگتا ہے

شرق و غرب آزاد و مان نخچیر غیر خشت ما سرمایہ تعمیر غیر

زندگانی بر مراد دیگراں جاوداں مرگ است نے خواب گراں

علامہ اقبال کو اس زبوں حالی کے دور میں دور دور تک کوئی مسیحائے قوم نظر نہ آیا جو جنوبی ہند کے مسلمانوں کو نو آبادکاروں کے چُنگل سے آزاد کرا کے انھیں شاہراہ ترقی پر گامزن کر دے۔ اقبال عربی، فارسی اور انگریزی کتب میں سُپر مین کے بارے میں پڑھ چکے تھے مگر نطشے کا سپر مین منکر خدا اور خونخواری کی علامت تھا۔ علامہ اقبال نے اسی سپر مین کو مسلماں کر کے مرد مومن، مرد کامل، مرد حُر اور مرد کوہستانی بنا کر اپنی تعلیمات میں پیش کر دیا کیونکہ وہی مسلم اُمہ کو غلامی سے نکالنے کے صلاحیت رکھتا تھا۔ اقبال کا یہ مرد مومن حرکت و عمل کا خوگر ہے بقول ڈاکٹر عشرت رحمانی ''جو ہندوستانی مسلمانوں کو حرکت و عمل دے کر عصر حاضر میں اسلامی نشاۃ الثانیہ کے خواب کی تعبیر دے سکے۔ 13 علامہ اقبال کا مرد مومن زندگی میں تحرک کی علامت ہے اس میں پلٹنے جھپٹنے کی ساری صلاحیتں موجود ہیں۔ اسے ہمہ وقت مسلم اُمہ کی نشاۃ الثانیہ کی فکر دامن گیر رہتی ہے۔ مرد مومن کی ذات میں عقل و عشق باہم شیر و شکر ہو گئے ہیں۔ یہ خدا بزرگ و برتر کا دنیا میں آخری پیغام ہے اس کے فرائض میں دین محمدی کی اشاعت ہے بقول سید ابوالحسن ندوی ''اقبال کا مرد مومن زندہ و جاوید ہے اس لیے کہ وہ اپنے اندر زندہ و جاوید پیام رکھتا ہے اس کے سینے میں ایک زندہ جاوید امانت ہے'' 14 اقبال نے مرد مومن میں شاہین کی خصوصیات دیکھتے ہیں۔ یہ مرد مومن کی طرح مردار نہیں کھاتا اور آشیانہ نہیں بناتا، یہ تیز نگاہ، بلند پرواز اور خلوت نشیں ہے اور فقر و استغنا سے مالا مال ہے۔ اس کا خاصا ہے علامہ اقبال مسلماں کو دنیا میں شاہیں دیکھنا چاہتے ہیں۔ اقبال کے نزدیک کائنات کا اصل مقصود انسان ہے اسی کی خاطر کائنات کو مسخر کیا گیا ہے۔ اب انسان کی ذمہ داری ہے کہ اپنے فرائض کو جانتے ہوئے آگے بڑھ کر کائنات کو مسخر کرے۔ وہ دنیا کو حسیں بنائے اور کائنات کو بے حجاب کرے یہاں سے تقدیر سازی کا مرحلہ شروع ہوتا ہے۔ وہ خدا سے اپنے لیے سب کچھ طلب کر سکتا ہے۔ علامہ اقبال نے مسلمانوں کے وسیع نظری کا نظریہ بھی دیا۔ ان کا کلام اور افکار و خیالات آفاقی ہیں۔

علامہ اقبال نے یورپی مفکرین شوپن ہار، نطشے، ٹالسٹائی، کارمارکس، ہیگل، آگسٹ کومٹ، برگساں، گوئٹے، لاک، کانٹ، برؤننگ اور شکسپئیر کا بغور مطالعہ کیا بلکہ اپنے افکار و خیالات میں ان کی دل کھول کر تعریف بھی کی۔ انھوں نے سوامی، رام چندر اور تیرتھ رام پر بھی نظمیں کہی ہیں۔ جو ان کی وسیع القلبی اور وسعت نظر کو ظاہر کرتا ہے۔ مطالعہ اقبال سے مسلمانوں میں وسعت نظری آئی ہے۔ علامہ اقبال نے مسلم اُمہ کو جفاکشی، محنت،

تگ ودو، سخت کوشی، عزم، صبر واستقلال، جرات اور ہمت سے کام لینے کا سبق دیا کیونکہ محنت ہی رنگ لاتی ہے۔ سخت کوشی اور جفاکشی کے بغیر دنیا میں کوئی قوم سرخرو نہیں ہوسکتی۔ ترقی یافتہ قومیں تگ پوئے دم دم کرتے ہوئے ترقی کے مرتبے پر پہنچی ہیں۔ بغیر سعی و پیہم کے کمال نہیں۔ان کی شاعری کا تمام تار وپور مسلمانوں کے اتحاد اور نشاۃ الثانیہ کے خوبصورت آمیزش سے تیار ہوا۔ ان کی گریہ نیم شبی، آہ سحر گاہی، اشک خونیں، اور جگر کاری کا سبب مسلمانوں کو استعماری قوتوں سے آزاد کرانا تھا۔ان کی شاعری میں رجائیت، جستجو، عملی بیداری، خود آگاہی، خودداری اور رجائیت کا پیغام ہے۔ بقول ڈاکٹر میر ولی الدین ''اقبال کی شاعری یاس اور شک سے پاک ہے وہ نہ مایوس ہوتا ہے نہ دوسروں کو مایوس ہونے دیتا ہے وہ مایوس ہونے والوں کو حقارت سے دیکھتا ہے اقبال کی نظر میں حزن ویاس یاس سے کم نہیں 15۔ میر تقی میر نے کمال کی غزل کہی، غالب اور اردو شعرا کو غزل کی تنگنیائی کا احساس ہوا۔ وہ کسی شاعر اعظم (اقبال) کا انتظار کر رہے تھا۔ اقبالؔ نے زور تخیل اور وسعت بیاں سے غزل کی تنگنیائی کو ہمیشہ کے لئے ختم کردیا۔ انھوں نے عشق و محبت کے علاوہ دنیائے جہاں کے موضوعات غزل میں سموئے دیئے ہیں۔ان کے وسعت مضامین کی ہمیں کہیں نظیر نظر نہیں آتی۔ بقول ڈاکٹر تصدق حسین راجا ''غزل کی جس تنگنیائی کا غالب ہمیشہ رونا روتا رہا، اقبال نے اسے کشادہ کیا تاکہ اس کی وسعت طلب، زور بیاں محدودت نہ محسوس کرے۔ اقبال کی غزلیں عشق و محبت، فلسفہ وحکمت اور پند وموعظمت سے بھری پڑی ہیں16۔

علامہ اقبال کی شاعری دل لگی کا ساماں نہیں بلکہ رجاہت کا اور بیداری کا آفاقی پیغام ہے ان کے اردو زباں پر بھی ان گنت احسان ہیں۔ کون جانتا تھا کہ غالبؔ کے بعد اردو زبان کو اقبال میسر آئے گا جو اردو شاعری کے تن مردہ میں نئی روح پھونکے گا۔ انھوں نے اردو زبان کو منفرد زور بیاں اور اُچھوتا زور تخیل دیا۔ کلام اقبال سے اردو زباں کی مٹھاس ہندوستان سے نکل کر افرنگ گئی اور لوگ اقبالیات کی طرف متوجہ ہوئے کیونکہ اقبال کی شاعری قلب ودماغ کی آئینہ دار ہے۔ جس پر اردو زباں ہمیشہ فخر کرتی رہے گی۔ اقبال کے سوز و گداز اور پیچ وتاب نے اس کی مانگ میں سیندور بھر دیا جس کی لالی کبھی ماند نہ پڑے گی۔ اقبال سے پہلے ہماری شاعری مذہبی رنگ اور محدود صنف سخن تک محدود تھی وہ آزاد ہو کر ایک نئے رنگ میں ڈھل گئی۔ جسے اختراعات کے زمرے میں شمار کر سکتے ہیں بقول مجنوں گورکھپوری ''اقبال کا شمار ان دانیان راز میں ہوگا جو مستقبل کی جھلک دکھا کر فکر و عمل کا رُخ نئی سمتوں کی طرف موڑ سکتے ہیں اقبال نے اردو شاعری میں جو نئے اسالیب تراشے ہیں اور پرانے اسالیب کو نئے انداز سے استعمال کر کے جو نئے آہنگ پیدا کئے ہیں وہ ہماری شاعری میں یقیناً اختراعات کا حکم رکھتے ہیں 17۔ اقبال ہمیں اپنے افکار و خیالات میں حیات و فکر کی سر بفلک رفعتوں سے ہمکنار کرتے ہوئے سیدھی راہ

دکھاتے ہیں اور حقیقت تک پہنچنے میں رہنمائی کے فریضہ بھی خود ادا کرتے ہیں پھر ان الفاظ کے ساتھ آہستگی سے ہم سے رخصت ہو جاتے ہیں کہ رکو نہیں، آگے بڑھتے چلو۔ منزل ابھی آئی نہیں۔ وہ محض شاعر ہی نہیں بلکہ شاعر عہد ہے، ع من نوائے شاعر فردا ستم کے مصداق۔ وہ اپنے ساتھ عالم کے عالم کو لئے جاتا ہے اس نے اپنی غزلوں میں نیا رنگ بھر دیا جو آفاقی حسن کمال اور ترنم سے کسی طرح کم نہیں۔ ان کے ہر شعر میں نئی خوبی، نیا حسن، نیا تخیل اور نیا سوز و گداز محسوس ہوتا ہے جو آسانی کے ساتھ نازک سے نازک ساز پر گائی جا سکتی ہیں ان کا ترنم سطحی نہیں ہوتا بلکہ اس میں تہہ در تہہ گہرائیاں چھپی ہوتی ہیں۔ اقبال مسلمانوں کی نشاۃ الثانیہ کی تمنا میں زندہ رہے۔ مسلمانوں کی نشاۃ الثانہ کے لیے فہم قرآن کی ضرورت تھی۔ جس میں عبادت بالخصوص معاملات کے متعلق قرآن مجید سے استدلال کیا گیا ہو۔ وہ اس ضمن میں کتاب بھی لکھنا چاہتے تھے مگر زندگی نے مہلت نہ دی۔ ان کے نزدیک دین سے دوری کا سبب تعلیم کا غیر دینی ہونا تھا جس کے سب مسلمان زوال سے دوچار ہوئے۔ پاکستان کی تعمیر نو اور معاشی ترقی کے لیے افکار اقبال قوت و حرکت کا استعارہ ہے۔ مسلم اُمہ انھیں اپنے استعمال میں لاکر نشاۃ الثانیہ کا طلائی دروازہ کھول سکتی ہے۔ بقول مینر رزمی "نوجواں علامہ اقبال کی تعلیمات ایمان داری، سچائی اور بہادری کے اُوصاف حمیدہ کو اپناتے ہوئے ملک کو ترقیوں کی بلندیوں پر لے جا سکتے ہیں 18۔ اقبال کے تمام قارئین آج ان کے علمی و ادبی کام کو رنگ برنگ کے پھل دار درخت سمجھ کر اپنے ذائقے اور موقع کی مناسبت سے پھل توڑ رہے ہے۔ ماہرین اقبالیات ابلیس کی مجلس شوریٰ، خطاب بہ نوجواناں اسلام اور طلوع اسلام جیسے میٹھے اشجار سے تو سبھی پھل توڑ رہے ہیں۔ لیکن تشکیلات جدید الٰہیات کے ترش پھل توڑنے سے گریزاں نظر آتے ہیں۔ تیسری طرف پھل توڑنے والے بچے ہیں سو بچوں کا کام تو پھل کھانا پینا اور مزے اُڑانا ہے۔ وہ بچے طالبان کے بھی ہو سکتے ہیں اور سرکاری اداروں میں مطالعہ پاکستان پر پلنے والے بھی۔

اقبال جس انداز میں نوجوانوں کی تعلیم و تربیت چاہتے تھے اس کی وضاحت اپنے انگریزی خطابات میں کی ہے جب انھیں اس کی عملی اطلاق کوئی صورت نظر نہیں آئی تو یہاں ایک نیا ادارہ یا ایک نیا شوالہ بنانے کا ارادہ رکھتے تھے۔ ان کے خیال میں صوفیا اسلام دین سے بے پراہ اور حکام کے تصرف میں ہیں۔ یہاں کے مذہبی اور سیاسی راہبر خود غرض اور تعلیم یافتہ افراد لیڈروں کی خوشامد میں مصروف نظر آتے ہیں جبکہ اخبار نویس ذاتی منفعت میں گرفتار نظر آتے ہیں پاک وہند کے مذہبی راہنماؤں نے بھی اقبال سے بے اعتنائی برتی ہے، سید ابوالحسن ندوی نے ذوق مطالعے میں "روائع اقبال" عربی میں لکھی۔ اسے اقبال سے متعلق خوش ذوقی کہا جا سکتا ہے 19۔ اقبال کا شاندار اور تاریخی کام انگریزی خطبات ہیں جو انھوں نے انگریزی میں دیئے تھے کیونکہ اردو زباں ان کی ترجمانی سے

قاصر تھی عامر اقبال کے بقول ''وہ جو کچھ کہنا چاہتے تھے اس کی آدائیگی کے لئے اردو زبان تیار نہ تھی''20؎ اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ علامہ اقبال نے مسلمانوں کی نشاۃ الثانیہ، عظمت رفتہ اور اقبال گزشتہ کی بازیافت کا کونسا نسخہ تجویز کیا تھا؟ وہ کیا تھا؟ وہ نسخہ نہ بانگ درا، ضرب کلیم، بال جبریل، اور مثنوی پس چہ باید کرد اقوام مشرق میں ملتا ہے۔ اصل نسخہ ''خطبات اقبال'' میں ہے۔ علامہ اقبال نے ان خطبات میں اجتہاد اسلام کے پس منظر میں حرکت اور جمود کی بحث چھیڑی ہے کہ کائنات ساکن اور جامد نہیں ہے اقبال کے نزدیک تشکیل نو کا مطلب نصوص قرآنی کی تعبیر نو ہے بقول محمد عثمان ''اسلامی روح کا منشا ہے کہ جدید افکار کی روشنی میں قانون اسلامی (شریعت) کی از سر نو تدوین کی جائے موجودہ نسل کو حالات کی روشنی میں فقہ کے بنیادی اُصولوں کی تشریح جدید کا حق حاصل ہے۔ قرآن کی تعلیم کہ زندگی ارتقاء پذیر اور تخلیق مسلسل کا نام ہے''21؎

یہ خطبات افکار اقبال کے ترجمان اور انکی عالمانہ شان کا مظہر ہیں۔ یہ اسلامی ثقافت کی تدوین میں ہماری معاونت کا اہم سنگ میل ہے ہم ان افکار کی روشنی میں اسلامی ممالک کو بیدار کر کے نشاۃ الثانیہ کی طرف قدم بڑھا سکتے ہیں۔ اقبال نے ہمارے جذبہ تخیل اور فکر کو غیر معمولی طور پر متاثر کیا ہے ہمیں ان جیسا دیدہ بینائے قوم ہماری تہذیب و تمدن میں دور دور تک نظر نہیں آتا ہے مسلماں اسلام کی روشنی میں اپنی تہذیب کا نصب العین متعین کریں کیونکہ مہذب قومیں تہذیبی نقشہ وضع کر کے اسی کے مطابق زندگی گزراتی ہیں۔ خطبات اقبال پر اب تک جتنا تحقیقی و تنقیدی کام ہوا ہے قاری کی اس سے تشفی نہیں ہوتی کیونکہ اس کی تفہیم مشکل ہے۔ مفسرین اقبال خطبات کی روح تک پہنچنے تک قاصر رہے۔ اقبال سے عقیدت رکھنے والوں کے لیے خطبات کا دروازہ کھلا ہے۔ اب ضرورت اس امر کی ہے کہ اسلام اور عہد حاضر کے تناظر میں خطبات کا نئے سرے سے جائزہ لے کر اپنی عملی زندگی کا آغاز کیا جاسکے۔ عہد حاضر میں اقبالیات کی تدریس کی اہمیت اس لیے بڑھ جاتی ہے کہ ہمارا قیمتی وقت سوشل میڈیا کی نظر ہو رہا ہے۔ لہذا تمام نصابی کتب کو پڑھنا مشکل ہے۔ نام نہاد دانشوروں نے تعلیمی کتب کو سکیڑ کر مختصر بکس (key books) متعارف کرائی ہیں۔ تعلیمی مافیا کی ملی بھگت سے امتحانی پرچے ان تک محدود ہو گئے۔ اس ظالمانہ رویے سے ملک کمزور، طلبا نیم خواندہ اور عوام جائل ہو رہے ہیں۔ اقبالیات کی تدریس کی اہمیت ان حالات میں قدرے بڑھ جاتی ہے تاکہ آئندہ نسلوں کو اگاہی ہو سکے کہ پاکستان کا خواب کس نے دیکھا تھا؟ مبشر اقبال کون تھے؟ اور مصور پاکستان کسے کہتے ہیں؟

اقبالیات کی تدریس سے طلبا کو جھپٹنے ،پلٹنے کے فلسفے سے ہمکنار کریں گے ،اقبال نے انھیں اپنالہو گرم رکھنے کی تعلیم کیوں دی ہے یہ سبق دینے والا کون تھا؟ طلبا کو کیسے بتائیں گے ؟انھیں خودی سے کس نے متعارف کر ایا؟ کس نے کہا تھا؟ کہ سب سے پہلے اپنی ذات کو پہچانو ؟ طلبا کو قومی شاعر کے افکار وخیالات سے روشناس کریں گے ؟امن وسکون سے محروم کرنے والی تہذیب کے انڈوں کو باہر گلی میں پھینکے کو کس نے کہا تھا؟خودی کا ہے سر نہاں لاالہ الااللہ ؟اس امر کو واضح کیا جائے گا؟کہ جس کھیت سے دہقاں کو روزی میسر نہ ہواسے جلا دیناہی بہتر ہےَ ۔کس نے مساوات کادرس دیا تھا کہ اشرافیہ کے گھوڑے سیب کا مربہ کھائیں اور عوام نان جویں کو ترسیں تو کاخ امرا کے درودیوار کو ہلا دینے میں بہتری ہے۔اقبال کے کلام میں وطن عزیز پر قربان ہونے اور مر مٹنے کا جذبہ موجود ہے۔اقبال کی تعلیمات سے جذبہ حریت پیدا ہوتا ہے؟ہم اقبال کے بغیر دیدہ اور بینائے قوم کی وضاحت کیسے کریں گے ؟اقبال جوانوں سے محبت ،دست و بازو اور اپنا قیمتی اثاثہ سمجھتے ہیں۔آپ میں سے کوئی چاہتا ہے کہ وہ بازوؤں کے بغیر ہو،افکار اقبال کے بغیر افراد سچے پاکستانیوں میں کیسے ڈھالا جایا گا۔انھیں کون بتائے گا کہ مشرق، مشرق ہے ۔جسے مغرب میں تبدیل نہیں کیا جا سکتا؟اپنی سُندر ناری تہذیب کو بچانے کے لیے کس نے کہا تھا۔الحکم للہ ؟ گرچہ بت ہیں جماعت کی آستینوں۔مجھے ہے حکم اذاں لاالٰہ الااللہ۔کس نے آئندہ نسلوں کو پیغام دیا تھا کہ میرا طریق امیری نہیں فقیری ہے، غریبی میں نام پیدا کر، فرشتوں جیسی عادات وصفات اور مقرب شخص کی تعلیمات پڑھانے سے طلبا میں روحانی صفات پیدا ہونگی تو آپ ممولے کو شہباز سے لڑانے کے قابہ ہوسکیں گے۔علامہ اقبال اور پاکستاں لازم ملزوم ہیں دونوں کو ایک دوسرے سے جُدا نہیں کیا گا سکتا ان کے کلام میں خودآگہی کا پیغام ہے ان کے نزدیک دین کی طلب میں جل مرنے کا نام زندگی،اس کی ابتدا ادب سے اور انتہا عشق پہ ختم ہوتی ہے۔اقبال کی نزدیک پھول کی آبرو رنگ وبو سے ہوتی ہے،وہ جوانوں کو پیغام دیتے ہیں کہ کم کھاؤ، کم سوؤ اور اپنی ذات کے گرد پر کار کی طرح رہو

کم خورد کم خواب وکم گفتار باش　　　　گرو خود گرد ندچوں پر کاش

آج پاکستان اور عالم اسلام کو مشکلات کا سامنا ہے۔مسلم اُمہ میں اتحاد کی کمی، فرقہ اور صوبہ پرستی عام ہے، ہم پس ماندہ ہوتے ہوئے تعلیم اور تحقیق سے دور ہیں اقبال نے تمام مسائل کا حل قرآن وسنت کی روشنی میں قوم کے سا منے پیش کیا ہے۔ہم اقبال کی روح کے مطابق ان تعلیمات پر عمل کرتے ہو تا تو کبھی مشکلات سے دوچار نہ ہوتے۔ ہم کلام اقبال کو نصابی ضرورتوں کے مطابق پڑھاتے رہے جس سے اکابرین ملت کی تعلیمات ثانوی اور ان کی حقیقی

روح سے دور ہوتے چلے گئے۔ آج تعلیمی اداروں میں مادیت کی تعلیم دی جا رہی ہے، نظریہ پاکستان کی اخلاقی اقدار ناپید ہوتی جا رہی ہیں۔ نئی نسل کو دین اسلام سے برگشتہ کر کے اسے دقیانوسیت کا نام دیا جا رہا ہے۔ دشمن اسلام قومی اختلافات کو ہوا دے کر مزید قومیتوں میں تقسیم کر رہے ہیں۔ افکار اقبال کو ان حالات میں سمجھنا اور افراد کے دلوں میں نقش کرنا ضروری ہے ہمیں اس کام کو ضروری مشن سمجھ کر نا چاہیے۔ اس کی ذمہ داری حکومت وقت، محب وطن دانشوروں، اساتذہ اور والدین پر عائد ہوتی ہے۔

ڈالی گئی جو فصل خزاں میں شجر سے ٹوٹ   ممکن نہیں ہری ہو سحاب بہار سے

ملت کے ساتھ رابطہ اُستوار رکھ   پیوستہ رہ شجر سے امید بہار رکھ

علامہ اقبال کے پیغام کو مسلم بچے کے کان میں اذان کی طرح پہنچانا چاہیے۔ اقبال نے اس اہم راز کو پیغمبر صحرا محمد عربی صل اللہ والہٰ وسلم کی سیرت، پیام جبریل اور لوح محفوظ سے اخذ کیا ہے۔ اقبال کے عقیدت مند ہر سال یوم اقبال مناتے ہیں۔ مجلس اقبال کے ارکان دوران سیمینار سامعین سے عہد اور اجتماعی بیت کریں کہ آئندہ فرقہ بندی، ہوس، مفاد، جھوٹ، فریب، دھوکہ دہی، خود غرضی اور خود نمائی سے اجتناب کریں گے اور ہمیشہ ذاتی مفاد پر قومی مفاد کو ترجیح دیں گے اور ہر قسم کے تعصب سے بالا تر ہو کر بے لوث ملک و قوم کی خدمت کریں گے اور افراد کو ترغیب دیں گے کہ محنت سے خاندان، قوم اور ملک کی حالت بدلیں گے اور ایمان، اتحاد اور تنظیم کو اپنا نصب العین بنائیں گے۔ بقول اقبال:

اُٹھ کہ اب جہاں کا اور انداز ہی انداز ہے   مشرق و مغرب میں تیرے دور کا آغاز ہے

حواشی وتعلیقات

1۔ تصدق حسین راجا،ڈاکٹر: مرتبہ۔اقبال پیامبر اُمید، فیروز سنز،لاہور،1990ء ص:283

2۔ آغا اشرف: اقبال اور پاکستان، نذر سنز،لاہور1988ء ص:17

3۔ ایضاً ص:47

4۔ غلام دستگیر رشید، مرتبہ: فکر اقبال، نفیس اکیڈمی، حیدر آباد، دکن، 1944ء ص:6

5۔ یاسر جواد: ترجم، مشرق کے عظیم مفکر، تخلیقات،لاہور1997ء ص:344

6۔ یہاں بانو سے مراد تعلیم اور لونڈی سے مراد دولت ہے

7۔ محمد عارف،ڈاکٹر: مباحث خطبات اقبال، بُک کارنر جہلم، 2019ء ص:348

8۔ فخر الحسن، سید۔ اقبال کی خدمات، مشمولہ، اقبال شناسی، مرتبہ شعبہ معید، بیکن ہاؤس ملتان 2007ء ص:130

9۔ ڈاکٹر میر ولی الدین: اقبال کا فلسفہ خودی، مشمولہ فکر اقبال از غلام دستگیر الدین رشید۔ ص:133

10۔ ڈاکٹر محمد عارف: مباحث اقبال، ص؛346

11۔ ڈاکٹر عبد المجید: اقبال اور جدید سائنسی نظریات، زاویہ پبلشرز، س،ن،د، ص؛312

12۔ پروفیسر محمد عثمان: فکر اقبال کی تشکیل نو۔ ص:26

13۔ ڈاکٹر عشرت رحمانی: اقبال فلسفیانہ تناظر میں، ادارہ مطبوعات سلیمانی،لاہور2009ء ص:368

14۔ سید ابوالحسن علی ندوی: نقوش اقبال، مجلس نشریات السلام، کراچی، 1976ء ص:12

15۔ ڈاکٹر میر ولی الدین: اقبال کا فلسفہ خودی، ص:123

16۔ اقبال پیامبر اُمید: ص:114

17۔ مجنوں گورکھپوری: اقبال، ایوان اشاعت، گورکھپور، 1944ء ص:36

18۔ پروفیسر مینر رزمی: اقبال، سہ ماہی۔ بزم اقبال، لاہور۔ شمارہ نمبر 21۔ جنوری تا جون 2021ء ص: 14

19 سید ابوالحسن کی کتاب کا اردو ترجمہ ''نقوش سلیمانی'' کے نام سے کیا گیا

20۔ محمد عامر اقبال: اقبال، شمارہ نمبر 21، جنوری تا جون 2021ء ص:24

21۔ پروفیسر محمد عثمان: فکر اسلامی کی تشکیل نو، ص:165تا183